امر و نہی کی حقیقت

اقبال احمد *
عبدالماجد *

ABSTRACT:

Amr O Nahi (Order and forbid) imperatives in the light of Quran and Sunnah

The "Amr" in Arabic means order or to order, whereas "Nahi" means forbid.

With regard to the word "Amr" the scholars have debated and discussed it from different angles. For imperatives different words from lexical categories are used which include first person verb, present tense. According to linguistic experts imperative means to order and for showing status it is used with letters "AN"(ان یفعل), "LAM" (لیفعل)and "BA"(بان یفعل). When Amr is used for status, its plural is "Umoor" and when used as imperative its plural is "Awamir"(orders). The word has been used at several places in the Quran, referring different meanings.

In "Amr"(Order) and "Nahi"(Forbid), both mean order. The difference is that in 'Amr', order of doing something is present but in "Nahi", order of Not doing something is present. In 'Amr' and 'Nahi', the orderer thinks that he is superior than the one who is being ordered. In Quran word Amr and word Nahi are used in different meanings. Although scholars of principles of Fiqah describe four statements about 'Amr' obligation. Real compulsory(وجـــــوب) Meaning: Logically it is though that when a senior gives order to his junior, then disobeying the order is thought to be opposition protested. Allah(S.W.T)had given order to give prostration to Hazrat Adam (A.S), but Ibless did not obey the order. For this disobedience, Iblees was punished, Other than, one meaning of Amr is Praisable(اباحت) and another meaning of Amr is desirable or allowable(استحباب) .Likewise, 'Nahi' means to forbid i.e. prohibition from something or act. The one should keep away himself from which he is ordered to forbid. Sometimes in 'Nahi' level of forbidden is changed or seemed to level of un-praiseful un-worthiness.

Key words: Order, Forbid, Quran, Sunnah, Obligation.

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں امر و نہی کا استعمال کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے بلکہ کتب اصول فقہ میں جہاں دیگر بہت سارے مباحث ذکر کئے جاتے ہیں وہاں اہم مباحث کے طور پر امر و نہی کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس امر و نہی

* ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی اردو یونیورسٹی کراچی　برقی پتا: ia49732@gmail.com
** ڈاکٹر، شعبہ علوم اسلامی اردو یونیورسٹی کراچی　برقی پتا: amajid@gmail.com
تاریخ موصولہ: ۲۰۱۴/۶/۶

کیکیا حقیقت ہے، ذیل کی سطور میں امر ونہی کی حقیقت کا جائزہ لیا گیا ہے:

امر کا لغوی معنی

(۱)"امر: امرا و آمرة وامارا،ای طلب منه فعل شئی او أنشائه فهو آمر وذاک مامور، امره الشئی وبالشئی وامره، ان یفعل وبان یفعل"(۱)

''یعنی اس نے اس کو کام کرنے یا بنانے کا حکم دیا، حکم دینے والا ''آمر'' ہے اور جس کو حکم دیا گیا ہے وہ ''مامور'' ہے''

(۲)ابن منظور نے ''اَمَر'' کا لغوی معنی اس طرح بیان کیا ہے:

"الامر معروف، نقیض النهی،أمره به،أمره إیاه،یأمره أمرا وأمارا،فأتمر،ای قبل أمره".

العرب تقول:أمرتک ان تفعل،ولتفعل،وبأن تفعل،فمن قال:أمرتک ان تفعل،والمعنی وقع الامر بهذا الفعل"(۲)

ا۔''أمر'' جب بمعنی معاملہ، حالت، شان کے ہو تو اس کی جمع ''امور'' آتی ہے۔اور جب ''أمر'' بمعنی حکم ہو تو اس کی جمع ''اوامر'' آتی ہے۔اور اس کی ضد نہی ہے۔(۳)

اہل لغت کی نظر میں ''نہی'' کا معنی

لفظ ''نہی'' کے اہل لغت نے کئی معانی ذکر کئے ہیں۔لفظ ''نہی'' جس کا مادہ ن، ھ، ی، ہے۔

''النهی"فی المعاجم "خلاف الامر"واصله یدل علی "غایة وبلوغ وحبس"ومنه نهایة کل شئی ای غایته.

نہی بمعنی خلاف الامر اور ضد الامر استعمال ہوتا ہے۔

ومنه ناقة نهیة:ای بلغت غایة السمن.ومنه"تناهی الماء"اذا وقف فی الغدیر وسکن۔

نہی بمعنی غایہ اور انتہاء۔عرب کہتے ہیں:''تناهی الماء ''یعنی پانی اپنی انتہاء کو پہنچ گیا، یہ تب کہا جاتا ہے جب پانی حوض میں رک جاتا ہے اور قرار پکڑ لیتا ہے۔

وقیل للعقل:نهیة لانه ینهی ویحبس عن القبائح.ومن هذا الماخذ جاء قولهم:نهیة عن کذا فانتهی عنه،وتناهی ای کف."والنهی"الزجر عن الشئ."والانتهاء"النزجار عما نهی عنه.(۴)

اور بعض کہتے ہیں کہ عربی زبان میں عقل کو ''نُهیة'' کہتے ہیں اس لئے کہ وہ انسان کو ہر اس کام سے جو غلط ہو اور درست نہ ہو منع کرتی اور روکتی ہے۔

مفسرین کی نظر میں امر کا معنی

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر لفظ امر کا ذکر آیا ہے۔لیکن ہر مقام پر لفظ امر حکم کے معنی میں نہیں بلکہ مختلف معانی

میں استعمال ہوا ہے۔جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱)امر دین کے معنی میں۔(۲)امر قتل کے معنی میں (۳)کبھی امر بمعنی فتح بھی آتا ہے۔(۴)کبھی امر بمعنی ذنب یعنی گناہ کے آتا ہے۔(۵)کبھی امر عذاب کے معنی میں آتا ہے۔

(۶)کبھی امر قضاء اور فیصلے کے معنی میں آتا ہے۔(۷)کبھی امر قول کے معنی میں آتا ہے۔(۸)کبھی امر مدد کے معنی میں آتا ہے۔(۹)کبھی امر وحی کے معنی میں آتا ہے۔(۱۰)کبھی امر قیامت کے معنی میں آتا ہے۔

(۱۱)حذر کے معنی میں۔(۱۲)کبھی امر شان وحال کے معنی میں آتا ہے۔(۱۳)کبھی امر مشورے کے معنی میں آتا ہے۔(۱۴)کبھی امر استدعاء الفعل کے معنی میں آتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی مفسرین نے امر کے متعدد معانی ذکر کیے ہیں۔(۵)

''نہی'' قرآن کی نظر میں:

- قرآن کریم میں ''نہی'' کا صیغہ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے:

(۱)حرمت (۲)الكراهة (۳)التحقير (۴)التحذير (۵)بيان العاقبة (۶)اليأس (۷)الإرشاد (۸)الدعاء. اصول فقہ کی اصطلاح میں اپنی بلند حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی فعل سے باز رہنے کا مطالبہ نہی ہے **(طلب كف عن فعل على جهة الاستعلاء)** یوں تو عربی زبان میں اس کے لئے ایک مستقل فعل ''فعل نہی'' کے نام سے پایا جاتا ہے اور بنیادی طور پر ممانعت کے لئے قرآن وحدیث میں یہی تعبیر اختیار کی جاتی ہے، لیکن شرعاً وہ تمام تعبیرات جو ممانعت کو بتلاتی ہوں نہی کا مصداق ہیں، لیکن نہی کا اصل معنی اور مقصود روکنا اور منع کرنا ہے، اس روکنے اور منع کرنے کے مختلف درجات ہیں۔جمہور فقہاء اور اصولیین کی نظر میں نہی اسی معنی یعنی تحریم کے لئے ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ اس کے خلاف موجود ہو۔(۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**لا تقربوا الزناء**'' اور ''**ولا تقتلوا النفس التى حرم الله**'' آیات مبارکہ میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے اس کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔اور کبھی نہی کا درجہ صرف کراہت کا ہوتا ہے، حضور نے ارشاد فرمایا: ''**لا يمسكن احدكم ذكره بيمينه ولا يتمسح من الخلاء بيمينه ولا يتنفس فى الاناء**'' جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرے تو دائیں ہاتھ سے اپنی شرم گاہ کو نہ پکڑے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ برتن میں سانس لے۔اس حدیث میں تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے لیکن ممانعت کا درجہ کراہت کا ہے۔(۷)

امر کا معنی حقیقی اصولیین کی نظر میں

اصل معنی کے سلسلہ میں چار اقوال نقل کیے گئے ہیں:

ا۔حقیقی معنی، وجوب ہے، یہی جمہور کا نقطہ نظر ہے۔عقل اور عرف کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ جب کوئی بڑا اپنے

چھوٹے کو امر کے صیغے کے ساتھ کسی بات کا حکم دیتا اور وہ اس پر عمل نہیں کرتا ہے تو اس کو مخالفت اور نافرمانی تصور کیا جاتا ہے: اللہ فرماتے ہیں: ﴿ما منعک أن لا تسجد إذ أمرتک﴾(۸) ترجمہ: کس چیز نے تم کو میرے حکم کے باوجود سجدے سے روکا تھا۔

اگر امر وجوب کے لئے نہ ہوتا تو شیطان کی طرف سے امر الٰہی کی خلاف ورزی پر گرفت نہ ہوتی، حکم کی مخالفت نافرمانی ہے، جو چیز غیر واجب ہو اس کی مخالفت نافرمانی نہیں ہے۔

﴿وما کان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضی الله ورسوله أمرا أن یکون لهم الخیرة من أمرهم﴾(۹) ترجمہ: کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار رہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف سے امر آجانے کے بعد کسی مکلّف کو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا، بلکہ مکلّف سے اختیار کی نفی اور فعل کا لازم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اصل استحباب ہے، کیوں کہ امر میں مطالبہ پایا جاتا ہے اور مطالبہ کا کم سے کم درجہ اس کا مستحب ہونا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور نے ایک صحابی سے فرمایا ,,أولم ولو بشاة،،(۱۰) ولیمہ کھلایئے اگر چہ ایک بکری کا گوشت ہی کیوں نہ ہو۔ ولیمہ کا درجہ سنت اور مستحب ہے۔ اگر ولیمہ ضروری ہوتا اور صرف بکری کے گوشت تک محدود ہوتا تو لوگ بہت مشکل میں پڑ جاتے۔ ولیمہ کھلانا ضروری بھی نہیں ہے اور کھلانے کی صورت میں صرف بکری کے گوشت تک محدود نہیں بلکہ دیگر چیزیں کھلانے کی بھی گنجائش ہے۔

۳۔ ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ امر محض اباحت اور جواز کو بتانے کے لئے ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب تم احرام سے حلال ہو تو شکار کرو، اور اس پر سارے لوگ متفق ہیں کہ شکار کرنے کا یہ حکم بطور اباحت ہے۔ ضروری نہیں کہ احرام سے نکلنے کے بعد ہر آدمی شکار کرے بلکہ کوئی شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

۴۔ امر وجوب اور استحباب اور اباحت تینوں کے درمیان مشترک ہے۔

غور کیا جائے تو جمہور کا نقطہ نظر نقل و عقل دونوں پہلوؤں سے قوی ہے، قرآن مجید کی بہت سی آیات امر کے وجوب کے معنی میں ہونے کو بتاتی ہیں۔(۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ امر کا اصل معنی وجوب کا ہے، یعنی امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حکم کی تعمیل ہو اور اس پر عمل ہو اور نہی کا اصل معنی ممانعت اور حرمت کا ہے، یعنی جس چیز سے روکا گیا ہے اس پر عمل سے مخاطب اپنے آپ کو بچائے، خاص طور پر جب حکم دینے والا اور منع کرنے والا عام انسان نہ ہو بلکہ صاحب شریعت اور پیغمبر ہو تو امر اور نہی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود ہر جگہ ہر مقام پر امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا اور اسی طرح نہیں برائے تحریم نہیں ہوتی بلکہ

مخاطب کے لئے آمر کے حکم کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں بہت ساری مثالیں ملتی ہیں کہ صاحب شریعت نے کسی صحابی کو کام کرنے کا حکم دیا، لیکن صحابی نے امر کے باوجود اس کی تعمیل ضروری نہیں سمجھی، اسی طرح آپؐ نے صحابہ کو کسی کام سے منع فرمایا لیکن ممانعت کے باوجود صحابہ اس پر عمل کر گئے ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

مثال (۱)

''ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی لونڈی حضرت ماریہ کو منافقین کے ایک گروہ نے ان کے چچازاد بھائی ماہور سے متہم کر دیا اور یہ خبر اس انداز سے پھیلی کی خود حضورؐ کو اس خبر کا یقین آ گیا اور کچھ قرائن وشواہد ایسے تھے کہ حضور کا یقین بے جا نہ تھا، آپ نے غیرت میں آ کر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ماہور جہاں ملے جا کر اس کو قتل کر دینا، آپؐ نے ان الفاظ میں حکم صادر فرمایا: ''**اذهب فاضرب عنقه**'' ترجمہ: ''جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو''

حضرت علیؓ گئے تو دیکھا کہ وہ ایک کنویں میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے، چنانچہ اس شخص کو وہاں سے کھینچا، اس کشمکش میں اس کا تہہ بند کھل گیا حضرت علیؓ نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فطرۃً اس کا آلہ تناسل ہی پیدا نہیں کیا تھا۔

فإذا هو مجبوب، ليس له ذكر فكف علي عنه(۱۲)

ترجمہ: ''وہ مجبوب و نامرد تھا، اس کا سرے سے آلہ تناسل ہی نہیں تھا''

حضرت علیؓ نے جب محسوس کیا کہ اس شخص میں وہ علت ہی نہیں پائی جاتی جس کی بناء پر مجھے دربارِ رسالت سے حکم ملا تھا تو انہوں نے حضور ﷺ کے اس ظاہری حکم کی تعمیل نہیں کی اور واپس جا کر آپؐ کے سامنے ساری صورتِ حال رکھی اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

الشاهد يرى مالا يرى الغائب(۱۳)

ترجمہ: ''حاضر وہ کچھ دیکھ سکتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا''۔

مسلمان اچھی طرح جانتا ہے کہ کہ حضورؐ کا صریح اور بالمشافہ حکم اور وہ بھی تعزیر اور حد کا ہو اس کے نافذ کرنے میں کوئی تامل برداشت نہیں اور جس میں بحکمِ خداوندی بھی کسی نرمی اور رأفت کی گنجائش ہی نہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِيْنِ اللّٰهِ (۱۴)

مندرجہ بالا آیت سے اس بات کی تصریح ہوگئی کہ حد اور تعزیر کے نفاذ کا حکم کتنی اہمیت رکھتا ہے مگر ماقبل واقعہ میں حضرت علیؓ اس حکم پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں اور دربارِ نبوت سے بجائے ملامت اور سرزنش کے وہ اس ترک حکم پر داد تحسین حاصل کرتے ہیں، اب کیا کہا جائے کہ حضرت علیؓ آپ کے اس حکم اور حدیث کی مخالفت کی وجہ سے منکر اور مخالف حدیث ہیں؟ حاشا وکلا کوئی مسلمان اور سلیم الطبع انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مثال (۲)

صحیح مسلم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک اور روایت بھی منقول ہے:

فان أمة رسول اللّٰه زنت فأمرني أن أجلدها فإذا هي عهد بنفاس فخيشت أن أجلدها أن أقتلها فذكرت ذلك للنبي فقال أحسنت(۱۵)

ترجمہ: ''حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ کی ایک نوکرانی بدکاری کا ارتکاب کر چکی تو آپؐ نے مجھے کوڑے مارنے کے لیے فرمایا: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے پتہ چلا کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ حالت نفاس میں ہے، مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں نے اس کو سزا دی تو کہیں وہ مر ہی نہ جائے، چنانچہ میں سزا دیئے بغیر آپ کی خدمت میں پہنچا اور سارا قصہ سنایا، آپؐ نے فرمایا تو نے اچھا کیا''

روایت میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ حضورﷺ کا ظاہری حکم مقید اور مشروط نہ تھا، لیکن حضرت علیؓ جن کا شمار کبار فقہائے صحابہ کرام میں ہوتا ہے، نے اپنے اجتہاد اور غور کرنے سے یہ سمجھا کہ آپ کا حکم درحقیقت مشروط اور مقید تھا بایں شرط کہ لونڈی ہلاک نہ ہو جائے اور زچگی کی حالت میں سزا دینا اس کی موت کا سبب بن سکتا تھا، اس لئے انہوں نے کوئی سزا نہیں دی اور چلے آئے، رسول اللہؐ نے واقعۂ حال سن کر اسے عصیان اور روگردانی (مخالفتِ حکم نبوی) سے داغدار کرنے کے بجائے ان کی تصویب و تحسین فرمائی اور لفظ ''احسنت'' ارشاد فرمایا: تو نے اچھا کیا۔ اس کے برعکس اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اس حالت میں کوڑے لگا دیتے تو آپ کے ظاہری حکم کی وجہ سے بہت ممکن ہے کہ وہ معتوب ٹھہرتے، اس ایک واقعہ سے بہت سے اجتہادی قیاسی اور فروعی مسائل، جو بظاہر بعض احادیث کے ظاہری الفاظ کے مخالف نظر آتے ہیں، خود بخود حل ہو جاتے ہیں البتہ مجتہد میں تفقہ اور اجتہاد کا ملکہ ہونا ضروری ہے۔

مثال (۳)

حضرت براء بن عازب کی صلح حدیبیہ سے متعلق ایک مفصل روایت ہے جس میں صلح حدیبیہ کا پورا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ''جب حضورﷺ اور قریشِ مکہ کے درمیان ایک معاہدہ طے ہوا تو آپ نے عہد نامہ پر اپنے کاتب حضرت علیؓ سے یہ الفاظ بھی لکھوائے:

''هذا ما قضى عليه محمد رسول اللّٰه''

ترجمہ: ''یہ وہ عہد نامہ ہے جو محمد رسول اللہ نے فریق ثانی کے ساتھ طے کیا۔''

مشرکین کی طرف سے ان کے نمائندے سہیل ابن عمرو نے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، صدائے احتجاج بلند کی اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیں تو پھر ہمارے اور آپ کے درمیان کیا اختلاف باقی رہا؟ اس لیے رسول اللہ کے الفاظ آپ صلح نامہ سے کاٹ دیں اور اس کی جگہ محمد ''بن عبد اللہ'' کے الفاظ لکھوائیں۔ آپﷺ نے فرمایا کہ میں ''محمد

رسول اللہ'' بھی ہوں اور ''محمد بن عبداللہ'' بھی ہوں، لیکن جب آپؐ نے دیکھا کہ مشرکین اپنے ضد پر اڑے ہوئے ہیں تو حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

''امح رسول اللّٰہ،قال لا واللّٰہ! لا أمحوک أبدًا''(۱۶)

ترجمہ:''علی! رسول اللہ ﷺ کے الفاظ مٹادو، حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں کبھی بھی نہ مٹاؤں گا''

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ حکم (امر) کی تعمیل کے بجائے قسم اٹھا کر یہ فرماتے ہیں: بخدا! میں تو کبھی نہیں مٹاؤں گا، حالانکہ حضورؐ اپنے سامنے اور روبرو حکم (امر) دے رہے ہیں لیکن حضرت علیؓ انکار کے ساتھ قسم بھی اٹھا کر عدمِ تعمیل پر مصر اور کمربستہ ہیں۔

اس امر کے انکار پر حضرت علی پر کیا حکم لگانا چاہیئے؟ بصیرت رکھنے اور حقیقت کو سمجھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ قریش مکہ کے نمائندوں کی موجودگی میں حضرت علیؓ کے اس ظاہری انکار میں ادب اور عشقِ محمدی کا سمندر موجزن ہے اور زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ جس ہستی کی محبت اور فدائیت نے دنیا کے تمام لذائذ و مسرتوں سے بے نیاز کر دیا ہے اس کے نقش پاک کو دل کے آئینہ سے مٹانا تو دور رہا البتہ ان کے پیارے اور محبوب نام کو سطح کاغذ سے مٹانے پر بھی دل آمادہ نہیں۔

اس مندرجہ بالا روایت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

''وهذا الذي فعله علی من باب الأدب المستحب لأنه لم يفهم من النبي تحتيم محو علي بنفسه ولذا لم ينكر ولو حتم محوه بنفسه لم يجز لعلي تركه ولما أقره النبی علی المخالفة''(۱۷)

ترجمہ:''حضرت علیؓ کا یہ فعل ادب یعنی مستحب کے قبیل میں سے ہے کیونکہ وہ آپؐ کے قول سے یہی سمجھے تھے کہ اس تحریر کا مٹانا خود حضرت علیؓ پر لازم نہیں اور اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ پر کوئی گرفت نہیں کی، اگر ان کے لئے اپنے ہاتھ سے مٹانا ضروری ہوتا تو نہ حضرت علیؓ کے لئے اس حکم کا ترک کرنا جائز ہوتا اور نہ آپ ان کو اس مخالفت پر برقرار رہنے دیتے''۔

مثال (۴)

اوامر ونواہی پر عدم تعمیل کی بحث سے متعلق ایک اور مثال حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر (جب یہودِ بنی قریظہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتہائی ریشہ دوانی کرنے کے بعد مدینہ طیبہ سے چند میل دور قلعہ بند ہو گئے تھے) ارشاد فرمایا کہ فوراً بنو قریظہ کے پاس پہنچو اور فرمایا:

''لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظه فادرک بعضهم العصر في الطريق فقال بعضهم لا نصلي حتی نأتيها وقال بعضهم بل نصلي لم يرد منّا ذلک فذكر ذلک للنبي فلم يعنف واحدا منهم''(۱۸)

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایک شخص بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں جا کر، ان میں سے بعض پر راستے میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا، چنانچہ بعض نے کہا کہ ہم تو بنی قریظہ ہی میں جا کر نماز پڑھیں گے، ۔جبکہ دیگر بعض صحابہ نے کہا کہ ہم یہیں پر نماز پڑھیں گے کیونکہ ہم سے یہ مطالبہ نہیں کیا گیا کہ ہم نماز نہ پڑھیں، چنانچہ ان حضرات نے نماز پڑھ لی جب آپؐ کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے کسی پر ملامت نہیں کی۔''

روایتِ مذکورہ میں صحابہ کرام میں سے ایک جماعت نے حدیث کے معنی مراد کو ملحوظ رکھ کر عصر کی نماز پڑھ لی اور دوسری جماعت نے ظاہری الفاظ کو دیکھا اور نمازِ عصر عشاء کے بعد بنو قریظہ پہنچ کر پڑھی اور دونوں جماعتوں کو اجر، ملا پہلی والی کو دوہرا اجر اور دوسری جماعت کو ایک اجر ملا'' (۱۹)

تعجب کی بات یہ ہے کہ حضورﷺ کی نہی جو عربی قواعد کے لحاظ سے نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ ہے اور واحد نکرہ نہی کے تحت داخل ہو کر استغراق کا فائدہ دیتا ہے، جس سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں ہے، مگر اس کے باوجود حضرات صحابہ کرام کی ایک جماعت ظاہری الفاظ کے خلاف عمل کرتی ہے اور قابل ملامت ان کو نہیں ٹھرایا جاتا بلکہ وہ جماعت ماجور ہوتی ہے اور اجر بھی دوہرا جبکہ دوسرا گروہ مفہوم کو لفظوں کے اندر چھپا ہوا پاتا ہے، ظاہری الفاظ میں تو اس کی کہیں بو تک محسوس نہیں ہوتی، چاہیئے تو یہ تھا کہ ان حضرات کو مخالفِ حدیث گردانا جاتا اور آپؐ کی صریح نہی کا مخالف قرار دے کر قابلِ ملامت سمجھا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا۔اور جس گروہ نے ظاہری الفاظ کو دیکھا اور انہیں پر عمل کیا اور عصر کی تاکیدی نماز کو قضاء کر دیا، وہ بھی ایک اجر کا مستحق ہوا اس ساری تفصیل سے ثابت ہوا کہ ہر امر یا نہی کی مخالفت کو جرم قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اس کی وجہ سے اسلام یا کفر سے خروج و دخول لازم ہوتا ہے۔

مثال (۵)

اس بحث کی وضاحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، ارشاد نبویﷺ ہے:

لا يتمنين أحدكم الموت ضرًّا أصابه فإن كان لابد فاعلاً فليقل اللهم أحيني ما كانت الحياة خيرًا لي وتوفني إذا كانت الوفاة خيرًا لي'' (۲۰)

ترجمہ: ''حضورﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی ہرگز کسی دکھ کی وجہ سے جو اسے پہنچا ہو موت کی تمنا نہ کرے اور اگر یہ تمنا ضروری کرنی ہو تو پھر یوں کہے: اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہے اور مجھے موت دے دے اگر موت میرے حق میں بہتر ہے۔''

اس حدیث میں لفظ ''ضر'' مطلق ہے، یہ چاہے ضرر دینی ہو یا دنیوی اور نہی بھی نون تاکید ثقیلہ کے ساتھ ہے مگر شارحینِ حدیث اس مقام میں ''ضـــــرا'' کو دنیوی ضرر سے مقید کرتے ہیں اور اس کے مزید شواہد بھی ہیں۔حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کی حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں جب معاملات بہت پیچیدہ ہو گئے اور فتنے

بڑھ گئے اور قتل وقتال کا بازار گرم ہو گیا اور کثرت سے قیل وقال ہونے لگے تو حضرت علیؓ نے ان تمام حالات کو دیکھ کر موت کی آرزو کی۔

اور یہی حال امام بخاریؒ کا بھی تھا کہ انہوں نے بھی مخالفین سے پریشان ہو کر موت کی آرزو کی تھی۔

حافظ ابن کثیر حدیث میں ''نهى عن الموت'' کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں:

''والمراد بالضرر ههنا ما يخص العبد في بدنه من مرض ونحوه لا في دينه''(۲۱)

ترجمہ: ''اور یہاں (حدیث) میں ضرر سے مراد وہ ضرر ہے جو انسان کے بدن میں مرض یا اس جیسے کسی اور وجہ سے ہو اس سے دین کا ضرر مراد نہیں۔''

غور کرنے کی بات ہے کہ جو شخص ضرر کی دینی اور دنیوی تقسیم نہیں کرے اور حدیث کو عام سمجھے تو اس کے خیال کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام بخاریؒ اس صحیح حدیث کے مخالف نظر آئیں گے اور اگر دینی اور دنیوں ضرر کی تقسیم سمجھ میں آجائے تو پھر ان اکابر کا مخالفِ حدیث ہونے کا ادنی وہم بھی نہیں ہو سکے گا۔

مثال (۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم کتنے عرصے میں قرآن کریم ختم کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہر رات، آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''إقراء في كل سبع ليال مرةً''

ترجمہ: ''ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرو''

دوسری روایت میں ہے کہ:

''فاقرأ في سبع ولا تزد علي ذٰلک''

ترجمہ: ''ہفتہ میں صرف ایک بار پڑھو اور اس پر زیادہ مت کرو''

امام بخاریؒ اختلاف روایات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قال بعضهم في ثلاث وفي خمس وأكثرهم على سبع''(۲۲)

ترجمہ: ''بعض تین دن میں ختم کا کہتے اور بعض پانچ دن کا، جب کہ اکثر علماء سات دن کا کہتے ہیں۔''

گویا کہ فن روایت کی رو سے امام بخاری نے اکثر روایات کا اتفاق سات راتوں میں قرآن کریم کو ختم کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور بظاہر اسی کو ترجیح ہے اگر تین راتوں میں ختم کرنے کی روایت کو لے لیتے ہیں تب بھی روایت اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین راتوں سے کم راتوں میں ختم کرنے کا ذکر امام بخاری کے پیش نظر صحیح نہیں ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امتِ مرحومہ میں بہت سے حضرات ایسے بھی ہوئے ہیں جو صرف ایک رات میں پورا قرآن کریم

ختم کردیا کرتے تھے۔

صحابہ کرام میں سے خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ ایک مسئلہ کی تلاش میں روزانہ تین مرتبہ اور تین دنوں میں نو مرتبہ قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔(۲۳)

علامہ سبکیؒ الطبقات الکبری میں امام بخاریؒ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

”وکان یختم بالنهار في کل یوم ختمة ویکون ختمه عند الإفطار کل لیلة ویقول: عند کل ختمة دعوة مستجابة“(۲۴)

ترجمہ:”اور وہ ہر دن قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے اور کبھی ہر رات کو افطار کے وقت ختم کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہر ختم قرآن کے وقت دعا قبول کی جاتی ہے۔“

اب اگر حدیثِ مذکورہ کے ظاہری الفاظ کو دیکھا جائے تو یہ نظریہ قائم کرنا پڑے گا کہ مذکورہ دنوں سے کم میں قرآن ختم کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور ان اکابر کو (معاذ اللہ) مکروہِ تحریمی کا مرتکب کہنا پڑے گا۔ اور ان کو مخالفِ حدیث کا لقب دیا جائے گا مگر معاذ اللہ کہ کسی اہل علم کا ضمیر اور دل اس کو گوارہ کرتا ہو کہ یہ اکابر مخالف حدیث تھے، بلکہ اس حدیث کے دیگر مطالب کے علاوہ ایک آسان سا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ کا یہ ارشاد امت پر شفقت اور ترحم کے سلسلہ میں ہے۔

<u>مثال نمبر(۷)</u>

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کسی چیز سے منع فرماتے ہیں، لیکن الفاظ اس تفصیل وتشریح سے خاموش ہوتے ہیں کہ اس میں نہی کا کیا درجہ ہے؟ حرام ہے یا خلافِ اولی ہے، مگر عمیق نگاہیں، خداداد فراست وبصیرت سے اس کا مقام متعین کرلیتی ہیں، مثلاً امام بخاریؒ نے اپنی صحیح البخاری میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ام عطیہ کہتی ہے:

”نهینا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا“(۲۵)

ترجمہ:”ہمیں جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا گیا لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔“

اسی طرح امام مسلم نے صحیح مسلم میں یہ روایت نقل کی ہے:

”قالت ام عطیه کنا ننهي عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا“(۲۶)

ترجمہ:”ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم عورتوں کو جنازوں میں شریک ہونے سے منع کیا گیا لیکن ہم پر اس کی تاکید نہیں کی گئی۔“

چنانچہ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فمعناه نهانا رسول الله عن ذلک نهي کراهة تنزیهیة لانهي عزیمة“(۲۷)

ترجمہ: ''اس کا معنی یہ ہے کہ رسول علیہ السلام کی نہی، کراہت تنزیہی ہے نہ کہ نہی عزیمت (نہی تحریمی)۔''

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس حدیث میں نہی سے حرام مراد نہیں ہے، بلکہ یہ نہی کراہت اور ناپسندیدگی کے درجے میں ہے۔

مثال نمبر (۸)

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کوئی حکم صادر فرماتے ہیں، مگر آپ کا حکم صرف مشورہ کی حد تک کا ہوتا ہے، اس کا ماننا نہ ماننا دونوں جائز ہوتے ہیں اور آپؐ کے ایسے حکم سے انکار نافرمانی تصور نہیں ہوتی۔ چنانچہ روایات سے ثابت ہے کہ جب حضرت بریرہؓ کو آزادی حاصل ہوئی تو شرعی مسئلہ کے رو سے ان کے خاوند حضرت مغیث گلیوں میں حضرت بریرہؓ کے پیچھے رو رو کر التجا کرتے رہے کہ بریرہ! آپ مجھ سے الگ نہ ہوں مگر وہ نہ مانیں۔ اس پر حضورؐ نے حضرت بریرہؓ سے فرمایا کہ آپ حضرت مغیثؓ کے پاس رہیں تو کیا ہی اچھا ہو حضرت بریرہؓ کہنے لگی کہ:

"يا رسول الله تأمرني؟قال إنما أشفع،قالت فلاحاجة لي فيه"(۲۸)

ترجمہ: ''یارسول اللہ کیا آپ مجھ کو اس کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ حکم تو نہیں البتہ صرف سفارش کرتا ہوں، انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے''

اب دیکھئے کہ حضرت بریرہؓ اپنی فراست وبصیرت سے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا درجہ متعین کرنا چاہتی ہے کہ اگر یہ حکم ہے امر ہے تو مجھے سر تسلیم خم کرنے سے کیا چارہ ہے اور اگر مشورہ ہے تو مجھے قبول نہ کرنے کا حق حاصل ہے، چنانچہ اس کے بعد حضرت بریرہ نے جدائی حاصل کر لی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ کے علاوہ اس کے اندر اور اس کی تہہ میں کہیں کوئی شرط یا قید پوشیدہ ہوتی ہے، کہیں کوئی علت پنہاں ہوتی اور کہیں اس کے برعکس ظاہری الفاظ کے ادب مضمر ہوتا ہے، کہیں امر میں استحباب یعنی اباحت کے مراتب مخفی ہوتے ہیں اور کہیں نہی میں احتیاط اور تنزیہ کار فرما ہوتے ہیں، کہیں ترفق اور ترحم سبب قرار پاتے ہیں اور کہیں مشورہ وسہولت کا مقام ومقصد ہوتا ہے، کہیں صاف الفاظ کچھ کہتے ہیں مگر ان کے اندر معنی کوئی اور جھلکتا ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) زمخشری، محمود بن عمر جار اللہ، اساس البلاغہ ج ۱ص ۳۳، دار الکتاب العربی، ۱۴۱۹ھ

(۲) الافریقی، ابن منظور، لسان العرب ج ۴ص ۳۰، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۴

(۳) ابراہیم مصطفیٰ، **المعجم الوسیط**، عربی اردو، مترجم، مکتبہ رحمانیہ، مادہ، اُمر، س، ن

(۴) ابنِ منظور، ج ۵ص ۴۰۲

(۵) زیان، جمیلہ، ڈاکٹر، مفہوم الامر فی القرآن الکریم، ج ۱ص ۳۰۶، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۳۱ھ

(۶) طہ، رافع بن، ڈاکٹر، الأمر عند الأصولیین، ص ۱۰۹، دمشق دار المحبہ، ۲۰۰۷ء

(۷) النسفی، حافظ الدین، امام عبد اللہ بن احمد، کشف الاسرار ج ۱ ص ۱۰۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۹۴ھ، القرآن ۱۷/۳۲، ۳۳۔ مسلم، ابو الحسن، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، رقم الحدیث ۶۱۳، دار السلام الریاض، ۱۹۹۹ء

(۸) القرآن: ۷/۱۲ (۹) القرآن: ۲۲/۳۶ (۱۰) ایضاً، مسلم، رقم الحدیث ۳۴۹۱

(۱۱) البصری، ابو الحسین، المعتمد ص ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ (۱۲) ایضاً مسلم، رقم الحدیث ۷۰۲۳

(۱۳) ابن کثیر، ابو الفداء، اسماعیل، حافظ، البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۳۰۴، مطبع السعادہ، مصر، ۱۹۸۲ء

(۱۴) القرآن: ۲/۲۴ (۱۵) ایضاً، مسلم رقم الحدیث ۴۴۵۰

(۱۶) بخاری، محمد بن اسماعیل، الامام، الجامع الصحیح، رقم الحدیث ۹۷۲۶،، دار السلام الریاض، ۱۹۹۸ء

(۱۷) نووی، الامام، حاشیہ علی مسلم ج ۱ ص ۱۰۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س، ن

(۱۸) ایضاً، بخاری رقم الحدیث ۴۱۱۹ (۱۹) الجوزی، ابن قیم، زاد المعاد ج ۲ ص ۷۲، عالم الکتب، بیروت، ۱۹۹۸ء

(۲۰) ایضاً، بخاری ۷۲۳۳ (۲۱) ایضاً، البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۱۹ (۲۲) ایضاً، بخاری ص ۵۰۵۲ و ۵۰۵۳

(۲۳) العسقلانی، ابن حجر، حافظ، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۱۱، مکتب المنار، ۱۹۸۸ء

(۲۴) ابن سعد، محمد بن عبد اللہ الطبقات الکبری ج ۲ ص ۲۴۰، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۱۸ھ

(۲۵) ایضاً، بخاری ۱۲۷۸ (۲۶) ایضاً، مسلم ۲۱۶۷ (۲۷) ایضاً، نووی حاشیہ علی مسلم ج ۱ ص ۳۰۴

(۲۸) الخطیب، محمد بن عبد اللہ، مشکاۃ المصابیح، ص ۲۸۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س، ن